17

اِصلاح کے لئے محاسبہ نفس ضروری ہے

(فرمودہ ۲/ جون ۱۹۱۶ء)

تشہّد وتعوّذ کے بعد سورۃ فاتحہ اور مندرجہ ذیل آیات کی تلاوت فرمائی:۔

وَفِي الْأَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ ○ وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ؕ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ○

(الذّٰریٰت:۲۱۔۲۲)

اور فرمایا۔بعض تمدّنی غلطیاں جو بظاہر چھوٹی چھوٹی معلوم ہوتی ہیں بہت بڑے خطرناک نتائج کا باعث ہو جاتی ہیں اور بہت سے امور ایسے ہیں جنہیں ابتداءً انسان چھوٹا سمجھتا ہے لیکن نتائج کے لحاظ سے بہت بڑے ہوتے ہیں۔موجودہ جنگ ہی کو دیکھو اس کا وہ محرک جو بظاہر دنیا کو بتایا جاتا ہے۔(واللہ اعلم اصلیّت کیا ہے) ایسا خفیف سا ہے کہ دیکھ کر حیرت آتی ہے کہ ایسا معمولی امر بھی ایسی خطرناک جنگ کا باعث ہو سکتا ہے۔ایک[1] ملک کے شہزادہ کو اپنے ملک اور اپنی رعایا کے لوگوں نے قتل کر دیا۔اس ایک قتل پر آگ بڑھنی شروع ہوئی چونکہ وہ ولی عہد تھا اس لئے اس کے قاتلوں کا بڑا سخت جرم تھا۔لیکن اس کے لئے زیادہ سے زیادہ یہی ہو سکتا تھا کہ ان کو سخت سے سخت سزائیں دی جاتیں۔قتل کئے جاتے۔جائدادیں ضبط کی جاتیں۔قید کئے جاتے خواہ وہ ہزاروں ہی ہوتے تب بھی اس واقعہ کی یہی شکل ہو سکتی تھی لیکن اس کی تحقیقات کرتے ہوئے اس سلطنت کو خیال پیدا ہوا کہ پاس کی جو چھوٹی ریاست ہے۔اس کی تحریک سے یہ قتل ہوا ہے۔اس لئے اس کو دبانا چاہا۔ایک اور سلطنت کے اس ریاست سے تعلقات تھے۔اس نے کہا۔کیا تم نے اس کو کمزور سمجھ کر دبانا چاہا ہے ہم اس کے مددگار موجود ہیں۔جب ادھر سے ایسا ہوا تو ایک اور سلطنت اس کے مقابلہ کے لئے اُٹھ کھڑی ہوئی۔اسی طرح ہوتے ہوتے کچھ سلطنتیں ایک طرف ہو گئیں اور کچھ دوسری طرف۔اور اس طرح تمام دنیا

[1] آسٹریا (مرتب)

میں آگ لگ گئی۔ دیکھو ایک آدمی کا قتل تھا۔ گو وہ آدمی بہت بڑا تھا ایک سلطنت کا ولیعہد تھا۔ لیکن پھر بھی ایسا نہیں تھا کہ تمام دنیا میں اس کے لئے آگ لگا دی جاتی۔ اور کل دنیا پر کشت وخون کے دریا بہا دیئے جاتے۔ ایسے انسان جن کا قتل کل دنیا کا قتل ہوسکتا تھا۔ وہ دو ہی گزرے ہیں ایک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو سارے جہان کے لئے مبعوث کئے گئے تھے اور ایک حضرت مسیح موعودؑ جو ان کی غلامی میں ساری دنیا کی طرف بھیجے گئے تھے ان دو کے سوا اور کوئی انسان نہ نبیوں سے نہ ولیوں سے نہ مجددوں سے ایسا نہیں گزرا۔ حضرت موسیٰؑ۔ حضرت داؤدؑ۔ حضرت سلیمانؑ۔ اگر قتل کئے جاتے۔ تو یہ بنی اسرائیل کا قتل تھا۔ حضرت مسیح ناصری کا قتل بھی بنی اسرائیل کا ہی قتل تھا صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی ایک ایسے وجود ہوئے تھے کہ آپ کا قتل سارے جہان کا قتل تھا۔ پھر آپ کا جو قائم مقام آیا۔ اس کا قتل سارے جہان کا قتل ہوسکتا تھا۔ باقی سب نبیوں میں سے کوئی ایسا نہیں ہوا تو کوئی بادشاہ یا بادشاہ بننے والا کہاں ایسا ہوسکتا ہے مگر واقعات تھے جنہوں نے مجبور کر دیا اور وہی صورت رونما ہوئی ہے جو آج کل ہم دیکھ رہے ہیں شہزادہ کو قتل کرنے والوں نے سمجھ لیا ہوگا کہ خواہ ہمیں کتنا ہی نقصان اٹھانا پڑے تاہم اس کا نفع اس نقصان سے زیادہ ہوگا۔ ان کے ذہن میں یہ خیال کبھی بھی نہیں آیا ہوگا کہ یہ صورت ہو جائے گی۔ لیکن دیکھ لو کہاں سے کہاں تک نوبت پہنچ گئی۔ وہ سلطنتیں جو آجکل میدانِ جنگ میں نکلی ہوئی ہیں وہ بھی یہ خیال نہ کرتی تھیں کہ واقعات یہ صورت اختیار کرلیں گے۔ چنانچہ جنگ شروع ہونے سے قبل روس کے وزیر نے انگلینڈ کے وزیر اعظم کو لکھا کہ آسٹریا کے سَرویہ پر دباؤ ڈالنے کی وجہ سے ہم مجبور ہیں کہ اسے مدد دیں لیکن یہ مدد سیاسی رنگ میں ہوگی اور اسی سے کام چل جائے گا کیونکہ واقعات کی صورت ایسی نہیں ہے کہ لڑائی تک نوبت پہنچے۔ لیکن خدا کی مصلحت نے نہ چاہا کہ ایسا ہو۔ اس لئے لڑائی شروع ہوگئی۔ یہ تو میں نے اس قسم کے واقعہ کی مثال دی ہے جو ابتداء میں کوئی بڑا نہیں معلوم دیتا تھا۔ مگر تمدّنی امور ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جن کو انسان پہلے سے ہی جانتا ہے کہ نقصان دہ اور مضرت رساں ہیں مگر پھر بھی ان سے باز نہیں آتا۔ یہ باتیں فرداً فرداً کچھ ایسی بڑی نہیں

دکھائی دیتیں۔مگر مجموعی طور پر قوم کو تباہ کرنے والی ہوتی ہیں۔بعض قوموں میں جھوٹ کی عادت ہوتی ہے جو پھیلتے پھیلتے ان کی زندگی کے ہر ایک شعبہ پر اثر ڈالنا شروع کر دیتی ہے۔بعض میں غیبت۔چغلی۔عیب جوئی وغیرہ کی عادت ہوتی ہے۔جو بڑھتے بڑھتے بہت خطرناک نتائج پیدا کرتی ہے لیکن ان باتوں کو معمولی سمجھا جاتا ہے جو ایک بہت بڑی نادانی ہے۔دانا انسان کا کام ہے کہ کسی برائی کو چھوٹا نہ سمجھے کیونکہ اگر کسی ایک کو بھی چھوٹا قرار دے گا تو سب کو چھوٹا ہی کہتا جائے گا۔لیکن یہ ایسی خرابیاں ہیں جو ملکوں کی بربادی اور قوموں کی تباہی کا موجب ہؤا کرتی ہیں۔اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس قسم کی باتوں کی طرف متوجہ کرنے کے لئے ایک گُر بتایا ہے یہ جو غلط فہمیاں ہوتیں اور ایک دوسرے پر حملے کئے جاتے ہیں یہ بھی بڑا تباہ کُن فعل ہوتا ہے۔اور قوموں کو ہلاک کر دیتا ہے ایک دوسرے پر طعن و تشنیع کرنا۔عیب جوئی میں لگے رہنا بظاہر انسان کو چھوٹی چھوٹی باتیں معلوم ہوتی ہیں مگر یہ ایسی باتیں ہیں کہ قوم کو تباہ کر دیتی ہیں۔ایک دفعہ صحابہ ایسے پاک گروہ میں سے بھی دو آدمیوں کی لڑائی سب کی تباہی کا موجب ہونے لگی تھی۔مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوگئی۔آپ نے خاتمہ کرا دیا۔دو شخص تھے ایک انصار میں سے اور ایک مہاجرین میں سے۔دونوں پانی بھرنے کے لئے گئے وہاں باتوں باتوں میں تیز کلامی ہوگئی ایک نے دوسرے کو لات ماری دوسرے نے اسے چپت رسید کر دی۔نتیجہ یہ ہؤا کہ جنگ تک نوبت پہنچ گئی۔مہاجر نے مہاجرین کو مدد کے لئے آواز دی۔اور انصار نے انصار کو۔دونوں طرف سے تلواریں لے کر آ گئے اور قریب تھا کہ مسلمان کافروں کے گلے کاٹنے کی بجائے جو ان کے سامنے پڑے تھے آپس میں ایک دوسرے کے گلے کاٹ کر ڈھیر کر دیتے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوگیا آپ باہر نکل آئے اور فرمایا کیا تم پھر جاہل ہوگئے ہو۔آپ کے آنے سے وہ شرمندہ ہوگئے اور بات دب گئی۔[1] تو دیکھنے میں ایک بات چھوٹی سی معلوم ہوتی ہے مگر اس کے نتائج بڑے خطرناک پیدا ہوتے ہیں لیکن بہت لوگ اس کا خیال نہیں رکھتے اس لئے ایسی باتیں کر لیتے ہیں مگر آخر کار یہاں تک

---

[1] بخاری کتاب التفسیر سورۃ المنافقین۔

نوبت پہنچتی ہے کہ وہ جوش اور غضب میں آکر ہمیشہ کے لئے اپنے آپ کو اور اپنی نسل کو تباہ کر لیتے ہیں حالانکہ اگر وہ صبر اور تحمل سے کام لیں تو کام چل جاتا ہے اور زیادتی کرنے والا خود شرمندہ اور نادم ہو جاتا ہے۔ تمام جوشوں کا باعث محض غلط فہمی ہؤا کرتی ہے۔ لیکن بہت لوگ ایسے ہیں جنہوں نے یہ معیار قائم کیا ہؤا ہے کہ دنیا کی سب کمزوریاں تو ہمارے اندر ہیں۔ باقی سب انسان مکمل ہونے چاہئیں۔ اس لئے ایسے لوگ اگر خود کوئی عیب کرتے تو اسے بھول چوک قرار دیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ انسان سے غلطی ہو ہی جاتی ہے۔ لیکن وہی اگر دوسرا کرتا ہے تو کہتے ہیں یہ خباثت ہے۔ شرارت ہے۔ بے ایمانی ہے۔ دشمنی ہے۔ یہ بھول نہیں ہوسکتی۔ اپنے متعلق تو کہا جائے گا کہ کیا بندر۔ سؤر بھولا کرتے ہیں۔ مَیں انسان تھا بھول گیا۔ لیکن دوسرے کے متعلق بھولنا کبھی خیال میں بھی نہیں آتا۔ حالانکہ اگر وہ اپنے نفس میں غور کرتا تو آسانی سے سمجھ سکتا تھا کہ اگر مَیں بھول سکتا ہوں تو وہ بھی بھول سکتا ہے۔ اور اگر بھولنا ناممکن ہے اس لئے دوسرا خبیث اور شریر ہے تو مَیں بھی خبیث اور شریر ہوں۔ اصل بات یہی ہے کہ کوئی انسان نہیں جو نسیان کی مرض کے نیچے نہ ہو۔ حضرت آدم جو خدا تعالیٰ کا نائب اور خلیفہ تھا اس کی نسبت خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ فَنَسِيَ (طٰہٰ ۱۱۶) بھول گیا۔ اور بھُولا بھی ایسے امر میں کہ جس کے متعلق اسے پہلے حکم دیا گیا تھا کہ یوں نہ کرنا تو آدم جس کو خدا نے تمام انسانوں کا باپ اور اپنا خلیفہ بنا کر دنیا میں بھیجا تھا وہ اگر بھول جاتا ہے تو اس کے بیٹے کیوں نہیں بھول سکتے اور وہ لوگ کیوں نہیں بھول سکتے جو خدا کے خلیفہ نہیں ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی نسیان تھا۔ آپ ایک دفعہ گھر سے باہر نکلے۔ دو آدمیوں کو لڑتے ہوئے دیکھا۔ فرمایا مجھے لیلۃ القدر کا نظارہ دکھایا گیا تھا لیکن تم کو لڑتا ہؤا دیکھ کر بھول گیا ہوں۔ [1] تو جب سب سے بڑا انسان۔ انسانوں سے بڑا کیا۔ ملائکہ سے بڑا انسان بھی بھولتا تھا تو اَور کون ہے جو نہ بھُولے۔ دنیا میں کوئی بھی انسان ایسا نہیں ہے جس کو نسیان نہ ہو۔ بڑے بڑے حافظہ والے بھی بھولتے آئے ہیں۔

[1] بخاری رفع معرفۃ لیلۃ القدر لقلاحی النّاس۔

اس وقت مسلمانوں میں اور بہت سی امراض کے علاوہ ایک یہ بھی مرض ہے کہ وہ قرآن کریم کی تعلیم کے خلاف عمل کرتے ہیں۔قرآن تو اس لئے آیا تھا کہ مسلمانوں کو وسط میں چلائے۔ چنانچہ مسلمانوں کو فرمایا۔اُمَّةً وَّسَطًا (البقرہ: ۱۴۴) کہ ان کے تمام احکام اور اعمال درمیانی راستہ پر ہوتے ہیں۔مگر اس وقت مسلمانوں نے سب باتوں کی حدود کو اختیار کر لیا ہے اور وسط کو بالکل چھوڑ ہی دیا ہے احمدیوں میں بھی بہت سے تمدنی نقائص ابھی تک باقی ہیں۔اور وہ اسی لئے ہیں کہ ابتداء میں چونکہ ان کی تربیت غیر احمدیوں میں ہوئی ہے۔جس کا اثر ابھی تک کچھ نہ کچھ باقی ہے۔ان میں ایک نقص یہ ہے کہ جب دو شخصوں کا آپس میں اختلاف ہو تو ایک دوسرے کو کہتا ہے کہ تو جھوٹ بولتا ہے حالانکہ جھوٹ ایک بہت بڑی برائی ہے۔جو شخص دوسرے کو جھوٹا کہتا ہے۔اصل میں وہ خود جھوٹا ہوتا ہے۔کیونکہ وہ جھوٹ کو بے حقیقت سمجھتا ہے اگر بے حقیقت اور معمولی بات نہ سمجھے تو کبھی ایسی جرأت اور دلیری سے دوسرے کو جھوٹا نہ کہے۔کیونکہ جو شخص کسی جرم کو برا سمجھتا ہے وہ دوسرے پر اس کو تھوپنے سے بھی ڈرتا ہے۔ہمارے خلاف لاہوری مخالفوں نے ایسی ایسی باتیں لکھیں۔جو بالکل خلاف واقعہ تھیں۔لوگ کہتے کہ یہ جھوٹ لکھ رہے ہیں اور اس قسم کی باتوں کی کثرت کو دیکھ کر یہ کہنا بے جا بھی نہ تھا لیکن مَیں یہی کہتا رہا کہ ممکن ہے بھول سے لکھتے ہوں۔نسیان سے لکھ دیا ہو یا تعصب اور بغض کی وجہ سے ان کے دماغ میں بات ہی اسی شکل میں آئی ہو۔تو جو انسان کسی جرم کو بُرا سمجھتا ہے وہ دوسروں پر بڑھ کر الزام نہیں لگاتا۔اور جو الزام لگاتا ہے وہ اس جرم کو بے حقیقت سمجھتا ہے۔لیکن عام طور پر یہی ہوتا ہے کہ جب دو آدمی آپس میں لڑیں گے تو ایک دوسرے کو جھوٹا کہہ دیں گے۔جب گواہوں سے پوچھا جائے گا تو جس کے خلاف ان کی گواہی ہوگی وہ انہیں جھوٹا قرار دے دیں گے۔حالانکہ انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ جھوٹ سے پہلے ایک اور بھی درجہ ہے اور وہ نسیان ہے۔ایسے شخص جو جھوٹ بولنے کے عادی ہوتے اور خواہ مخواہ جھوٹ بول دیتے ہیں وہ بہت کم ہوتے ہیں۔لیکن اس کے مقابلہ میں نسیان بہت زیادہ ہوتا ہے اور کوئی انسان ایسا نہیں ہے۔جس کو یہ مرض نہ ہو۔حتیٰ کہ نبیوں کو بھی ہوتا ہے۔پس جب تمام انسانوں کو

بلا استثنا کسی ایک کے نبیوں سے لیکر ادنیٰ انسانوں تک کا یہ حال ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ یہ بات جو ہر جگہ پائی جاتی ہے جب تک جھوٹ ثابت نہ ہو جائے وہ نہ کہیں۔لیکن جب کہیں جھگڑا ہوتا ہے ہر فریق یہ خیال نہیں کرتا کہ شائد فلاں سے غلطی ہوگئی ہو۔ یا وہ بھول گیا ہو۔ بلکہ یہی کہتا جاتا ہے کہ اس نے شرارت کی ہے بے ایمانی دکھائی ہے۔دشمنی شروع کی ہے۔اور جھوٹ بولا ہے پھر دونوں دعائیں کرتے ہیں کہ جھوٹے پر خدا کی لعنت پڑے۔ممکن ہے کہ کسی پر بھی لعنت نہ پڑے اور دونوں میں سے کوئی بھی جھوٹ نہ بولتا ہو۔ جھوٹ تو وہ ہوتا ہے جو ایک بات کو اچھی طرح جانتے ہوئے اس کے خلاف کہا جائے لیکن جس کو ایک بات جس طرح یاد ہے اسی طرح بیان کرتا ہے تو وہ جھوٹا نہیں ہو سکتا ہاں ممکن ہے کہ نسیان کی وجہ سے اسے اسی طرح وہ بات یاد رہی ہو جو اصل کے خلاف ہو۔آپس کے جھگڑے اور اختلاف تو ہر جگہ ہی ہوا کرتے ہیں لیکن ایسا نہیں ہونا چاہیئے کہ دوسرے کو جھٹ جھوٹا شریر اور فسادی قرار دے دیا جائے۔جھگڑے تو صحابہ میں بھی ہوا کرتے تھے۔حضرت عمرؓ اور حضرت ابوبکرؓ کا جھگڑا تو حدیثوں سے ثابت ہے[1] اگر جھگڑے کے یہ معنے ہیں کہ جھگڑنے والا جھوٹا ہوتا ہے تو ماننا پڑے گا کہ نعوذ باللہ ان دونوں میں سے ایک ضرور جھوٹا ہے۔ پھر حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ کا جھگڑا بھی حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے ان میں سے بھی ایک جھوٹا قرار دینا پڑے گا۔ پھر حضرت عمرؓ اور عمار کا جھگڑا ثابت ہے۔عمرؓ اور ابن مسعود کا اختلاف ثابت ہے اس لحاظ سے ان میں سے بھی ایک کو جھوٹا کہنا پڑے گا۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت سے قاضی مقرر تھے۔ وہ بھی مقدمات کے فیصلے کے لئے ہی تھے۔اگر مقدمات نہ ہوتے تو قاضیوں کے مقرر کرنے کی کیا ضرورت تھی۔اس طرح ماننا پڑے گا کہ صحابہ میں سے نصف نہ سہی تہائی تو ضرور جھوٹ بولنے والے ہوں گے۔مگر ہمارا تو یقین اور کامل یقین ہے کہ صحابہ میں سے ایک بھی جھوٹ بولنے والا نہ تھا۔صرف نسیان تھا۔جس سے کوئی انسان خالی نہیں اور نہ ہوسکتا ہے اسی وجہ سے ایک شخص کو ایک بات ایک طرح یاد ہوتی تو دوسرے کو دوسری طرح۔ایسی اختلافی باتوں کا فیصلہ

[1] بخاری کتاب فضائل النبیؐ باب مناقب المهاجرين۔

شاہدوں کے ذریعہ ہو جاتا ہے کہ کس کی بات ٹھیک ہے اور کس کی بھول اور نسیان کی وجہ سے ٹھیک نہیں۔ اور بھولنے والوں کا اس میں کوئی قصور نہیں ہے۔ دیکھو ایک حافظ قرآن نماز پڑھاتے ہوئے قرآن کریم میں غلطیاں کر جاتا ہے۔ لیکن اس کے غلطی کرنے سے ایسا تو نہیں ہونا چاہیئے کہ اسے گردن سے پکڑ لیا جائے۔ اور کہا جائے کہ تم نے شرارت سے غلط آیت بنالی ہے قرآن کریم میں یہ کہیں نہیں ہے کیونکہ اس نے نسیان اور بھول کی وجہ سے ایسا کیا ہے نہ کہ شرارت سے۔ اور کوئی حافظ دنیا میں ایسا نہیں ہے جو غلطی نہ کرے۔ حتٰی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جن پر قرآن کریم اُترا۔ وہ بھی بھول کی وجہ سے پڑھنے میں غلطی کر جاتے تھے۔ ایک دفعہ آپؐ نے نماز پڑھائی تو قرآن پڑھنے میں غلطی کر دی۔ جب نماز سے فارغ ہو چکے تو ابی بن کعب کو فرمایا کہ تم نے مجھے غلط پڑھنے سے روکا کیوں نہیں۔ انہوں نے عرض کی کہ حضور مَیں نے سمجھا کہ شائد خدا تعالیٰ نے اسی طرح یہ آیت نازل فرمادی ہے۔ جس طرح حضور نے پڑھا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ نہیں۔ غلطی سے پڑھا گیا ہے تمھیں مجھے روکنا چاہیئے تھا۔ ؎ا تو نسیان سے کوئی آدمی بچا ہوا نہیں ہے مگر جہاں کسی سے اختلاف ہوتا ہے اس بات کو نظر انداز کر کے جھٹ اس پر جھوٹ کا الزام لگا دیا جاتا ہے۔ ابھی تھوڑے دنوں کا ذکر ہے۔ ایک معاملہ میرے آگے پیش ہوا تھا۔ مَیں نے اس کا فیصلہ کیا۔ وہ دونوں فریق ایک دوسرے کی نسبت یہی کہیں کہ وہ جھوٹ بولتا ہے اور ہم جو کچھ کہتے ہیں وہ درست ہے پھر گواہوں سے پوچھا گیا تو ان کو بھی جھوٹا کہہ دیا۔ مَیں پوچھتا ہوں۔ اگر تم اسی طرح ایک دوسرے کو جھوٹا قرار دینے لگو گے تو بتلاؤ تم میں سچا کون ہوا۔ تم سب میں اختلاف ہوتے ہیں جھگڑے ہوتے ہیں اگر اسی بات پر کوئی جھوٹا ثابت ہو جاتا ہے تو تم سارے کے سارے جھوٹے ہوئے پھر حضرت مرزا صاحب کر کیا گئے کیا چار لاکھ کی جماعت جو آپ چھوڑ گئے تھے سب جھوٹوں کی جماعت تھی۔ اس طرح ایک دوسرے پر الزام لگانے والے بلاواسطہ نہیں تو بالواسطہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر حملہ کرنے والے ہیں۔ مجھے ایسے لوگوں پر بڑا غصّہ اور طیش آتا ہے کہ وہ کیوں ایسا کرتے ہیں۔ جو شخص یہ کہتا ہے کہ فلاں میں

؎ا بخاری کتاب الصلوٰۃ باب توجہ القبلۃ۔

یہ عیب ہے۔ اور فلاں میں یہ عیب۔ تو گویا صرف وہی ایک سب جماعت میں نیک رہا اور باقی سب عیب دار ٹھہرے۔ اس سے مَیں پوچھتا ہوں کہ کیا حضرت مرزا صاحب اسی ایک کو پیدا کرنے کے لئے مبعوث ہوئے تھے۔ اور ان کی اس قدر کوشش اور سعی کا نتیجہ صرف وہی ایک شخص نکلا۔ ہرگز نہیں۔ وہ اپنی قدر کو دیکھے اور اپنے طرزِ عمل پر غور کرے کہ کس طرف جا رہا ہے۔ اور اس کا ایسا کہنا گویا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو جھوٹا اور ناکام کہنا ہے۔ اور وہ اپنے عمل سے احمدیت سے خارج ہو جاتا ہے۔ گو وہ اپنے آپ کو احمدی کہے لیکن چونکہ وہ خدا کے نبی کی پاک جماعت پر حملہ کرتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس جماعت میں پھوٹ پڑتی ہے اس لئے وہ احمدی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دوسرے پر الزام لگانے سے بچنے کے لئے مسلمانوں کو کیا ہی عجیب گُر بتا دیا تھا وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِّلْمُوقِنِينَ۔ وَفِيٓ أَنفُسِكُمْ ۚ أَفَلَا تُبْصِرُونَ کہ تم اپنے نفسوں میں ہی دیکھو۔ کیا تم نے کبھی کوئی غلطی نہیں کی۔ تم سے کبھی بھول چوک نہیں ہوئی۔ جب تم سے خود بھی ایسا ہو جاتا ہے۔ تو پھر جب کوئی دوسرا اس طرح کرے تو اس پر کیوں الزام لگاتے ہو۔ واقعہ میں کوئی انسان ایسا نہیں ہے جو کبھی بھولا نہ ہو۔ اور باتیں تو الگ رہیں۔ صبح سے اس وقت تک تم میں سے ہر ایک شخص کو جو جو واقعات پیش آئے انہیں کو اگر کوئی بیان کرنے لگے۔ تو ضرور ہے کہ بعض باتیں بھول جائے۔ اور دوسرے یاد دلا دیں۔ اگر کوئی ایسے حافظہ والا ہے جو پورے پورے واقعات بتا سکتا ہے تو اُٹھ کر بتائے وہی شخص جو ایک دوسرے کو جھوٹا کہتے تھے اٹھ کر بتا دیں لیکن وہ سُن لیں کہ ضرور غلطی کریں گے مگر وہ کہہ دیں گے کہ انسان ہیں غلطی ہو گئی ہے۔ مَیں کہتا ہوں جب تم انسان ہو۔ تو کیا وہ انسان نہیں ہیں۔ پھر انہیں کیوں جھوٹا کہتے ہو ایسا کرنے والے غلطی کرتے ہیں غلطی نہیں بلکہ بیوقوفی کرتے ہیں۔ مَیں نے بیوقوفی اس لئے کہا ہے کہ ان کی اس کاروائی سے شیطان جماعت کی تباہی کا ہتھیار چلاتا ہے ایسے لوگ خدا تعالیٰ کے بتائے ہوئے گُر پر عمل کریں۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے تم اپنی جانوں کو دیکھو کیا تم اندھے ہو گئے کیا یہی غلطیاں تم نہیں کرتے ہو اور اپنے آپ کو جھوٹا کہلانا پسند نہیں کرتے۔ مگر دوسرے جب ایسا کریں تو کہتے ہو کہ جھوٹ بولتے اور شرارت کرتے ہیں کیا تم نے ان کا دل چیر کر دیکھ لیا ہوتا ہے۔ پھر یہ کیونکر ممکن ہے

کہ تم تو بھول جایا کرو۔ اور وہ تمہارے جیسے ہی نہ بھولا کریں۔ حضرت عمرؓ اور عمار کا تیمّم کے متعلق جھگڑا ہوا تھا۔ حضرت عمرؓ کہیں کہ مَیں کبھی اس بات کو نہیں مانونگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل جنابت کی بجائے عذر کے وقت تیمّم کو جائز قرار دیا ہو۔[1] حالانکہ عمار ٹھیک کہتے تھے۔ دوسرے راویوں سے بھی ان کی بات کی تصدیق ہوتی ہے۔ مگر حضرت عمرؓ کو یاد نہیں رہا تھا۔ اور وہ اپنی بات پر اس قدر مُصر تھے کہ لڑنے کو تیار ہو جاتے تھے۔ عمار اپنا واقعہ پیش کرتے کہ مَیں نے ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تھا۔ لیکن وہ نہیں مانتے تھے بعض دفعہ کوئی بات حافظہ سے اس طرح اُتر جاتی ہے کہ اس کے متعلق خیال بھی نہیں آ سکتا کہ کبھی ہوئی تھی۔ یہی بات حضرت عمرؓ کو پیش آئی۔ اصل بات یہ ہے کہ حافظہ کے لئے آنکھیں۔ کان۔ ناک۔ زبان۔ لمس وغیرہ حواس ہیں ان کے ذریعہ انسان کو ہر ایک بات یاد رہتی ہے مثلاً سختی کا چھونے سے پتہ لگتا ہے لیکن بعض لوگوں کے جسم ایسے سخت ہوتے ہیں کہ انہیں چھونے سے پتہ نہیں لگتا۔ اسی طرح بعض چیزیں دیکھنے سے یاد رہتی ہیں لیکن بعض کی آنکھیں کمزور ہوتی ہیں یا ایسا ہوتا ہے کہ ان کی عادت غور سے دیکھنے کی نہیں ہوتی۔ اس لئے انہیں بعض چیزیں یاد نہیں رہتیں۔ مثلاً میری آنکھیں کمزور ہیں اس لئے زیادہ دور کی چیزیں مجھے دکھائی نہ دیں گی۔ لیکن ایک اور شخص جس کی نظر مجھ سے تیز ہوگی وہ مجھ سے زیادہ دور کی چیزیں دیکھے گا۔ اب اگر کوئی ہم دونوں سے پوچھے کہ تمہارے سامنے کیا کیا چیزیں ہیں تو ہمارے بیان کرنے میں ضرور اختلاف ہوگا۔ پھر جس کی نظر کمزور ہو اسے چیزیں بھی کم یاد رہتی ہیں۔ کیونکہ اس کے دماغ پر دیکھنے کا اثر کم پڑتا ہے۔ ہاں اگر وہ ایک چیز کو بار بار دیکھے تو جس طرح پھیکی سیاہی پر بار بار قلم پھیرنے سے شوخ سیاہی ہو جاتی ہے اسی طرح اس کے بار بار کے تکرار سے اس کے دماغ پر گہرا اثر پڑتا ہے۔ اس لئے وہ اسے یاد رہتی ہے۔ اسی طرح بعض لوگوں کے کان کمزور ہوتے ہیں وہ ایک آدھ دفعہ سُنی ہوئی بات کو یاد نہیں رکھ سکتے۔ مگر بار بار سننے سے خوب یاد رکھتے ہیں وہ لوگ جن کی آنکھیں کمزور ہوتی ہیں اور حافظہ بہت تیز ہوتا ہے ان کے

[1] بخاری کتاب التیمّم باب التّیمّم ھل ینفخ فیھما۔

حافظہ کے تیز ہونے کی یہی وجہ ہے کہ چونکہ وہ آنکھوں کی بجائے کانوں کو زیادہ استعمال کرتے ہیں اس لئے شنوائی کا اثر ان کے دماغ پر بہت گہرا پڑتا ہے اسی طرح ایک بہرہ آنکھوں دیکھی چیز کو بہ نسبت سُنی ہوئی کے زیادہ یاد رکھتا ہے کیونکہ وہ زیادہ غور سے دیکھنے کا عادی ہوتا ہے۔اور کانوں کا کام بھی آنکھوں سے ہی لیتا ہے۔اکثر اشیاء کے یاد رکھنے کے متعلق انسان دو چیزوں سے کام لیتا ہے۔اوّل آنکھوں سے دیکھتا ہے۔دوم کانوں سے سنتا ہے۔مثلاً ایک شخص کا نام عمر الدین ہے وہ جب سامنے آئے تو کان اس کا نام سُنکر کہتے ہیں کہ یہ عمر الدین ہے۔اور آنکھیں اس کی شکل کا نقشہ اتارتی ہیں۔اگر یہی شخص ایک پردہ کے پیچھے کھڑا ہو کر اپنا نام بتائے تو ممکن ہے کہ وہ شخص اس کو نہ پہچان سکے جس کے کانوں نے اس کی آواز کو سُنا اور جس کی آنکھوں نے اس کا نقشہ اتارا۔لیکن ایک نابینا انسان جس نے صرف کانوں کے ذریعہ اس کو پہچانا تھا اس کی آواز سُنکر فوراً معلوم کر لے گا۔کیوں؟ اس لئے کہ جس وقت اس نے نام سُنا تھا۔تو بہ نسبت ایک بینا شخص کے اس کی قوت سامع نے اس کے دماغ پر بہت گہرا اثر ڈالا تھا۔پس ان حواس کے ذریعہ حافظہ بعض باتوں کو بھول جاتا ہے اور بعض کو یاد رکھتا ہے۔لیکن بھولنے والے کی نسبت یہ کہنا کہ جھوٹ بولتا ہے سوائے اس کے اور کیا نتیجہ پیدا کر سکتا ہے کہ فساد پھیلے۔مگر بہت لوگ ایسے ہیں۔جو کسی جھگڑے یا اختلاف کے وقت ایک دوسرے کی نسبت کہہ دیتے ہیں۔

مَیں ایک دفعہ ایک جماعت کے ہاں گیا اب تو وہ بہت مخلص ہے اس کے قریباً سارے ممبر ایسے ہیں جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ کے ہیں۔مگر تعمیل احکام میں سب سے زیادہ سست۔وہاں جا کر مجھے معلوم ہؤا کہ یہاں کے لوگوں میں نا اتفاقی ہے۔مَیں نے ان کو بُلا کر پوچھا۔ہر ایک نے یہی کہا کہ ہم میں کوئی ناراضگی نہیں ہے۔یہ بات آپ تک غلط پہنچائی گئی ہے۔مَیں نے پوچھا فلاں آدمی کیوں مسجد میں نہیں آتا۔فلاں کیوں نہیں آتا۔اس کا جواب مجھے یہ دیا گیا کہ فلاں کی فلاں سے اور فلاں کی فلاں سے لڑائی ہوئی ہے میں نے کہا کہ جب ایک دوسرے کی آپس میں لڑائی ہے تو پھر اتفاق کیسا؟ اور جماعت کیسی؟ اس قسم کی نا اتفاقی کو انہوں نے افراد کی نا اتفاقی قرار دیا ہؤا تھا نہ کہ جماعت کی۔میں نے ان میں صفائی کرا دی انہیں یہ بات بہت

معمولی معلوم ہوتی تھی۔ لیکن درحقیقت وہ بہت بڑی اور خطرناک نتائج پیدا کرنے والی تھی۔ تو چھوٹی سے چھوٹی بات میں بھی بہت احتیاط کرنی چاہیئے۔ اور فوراً کسی پر جھوٹے ہونے کا فتویٰ نہیں لگا دینا چاہیئے۔ تم لوگ کیوں ایسا طریق اختیار نہیں کرتے جس میں تمہارا بھی فائدہ ہو اور کسی کو نقصان بھی نہ پہنچے اور وہ یہ کہ جس طرح خود بھول جاتے اور نسیان کر بیٹھتے ہو۔ اسی طرح دوسرے کو سمجھ لیا کرو اور اس طرح بھی کسی کا حق غصب نہیں ہو سکتا۔ بات وہی رہتی ہے البتہ احتیاط کا پہلو ہو جاتا ہے۔

پس یہ بات خوب یاد رکھو کہ جو بات کسی کے متعلق کہو اپنے نفس میں اس کے متعلق خوب غور کر لو کہ جو الزام دوسرے پر لگاتا ہوں کیا مَیں اس سے بری ہوں۔ افسوس کہ بہت کم لوگ اس بات پر غور کرتے ہیں اگر غور کریں تو بہت سے فساد اور جھگڑے دور ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کو اس کی سمجھ دے اور دوسروں کی عیب جوئی سے بچا کر اپنے نفس کے محاسبہ کی توفیق بخشے۔

(الفضل ۱۸؍ جون ۱۹۱۶ء)